جلد01شمارہ17،2024

Article

A Linguistic Analysis of Premchand's Translated Play Shab-Taar

پریم چند کے ترجمہ شدہ ڈرامے "شبِ تار" کا لسانی اعتبار سے جائزہ

Dr. Muhammad Afzal Butt[*1]

[1] Chairperson, Department of Urdu, Government College Women University, Sialkot

*Correspondence: drafzalpsr@gmail.com

ڈاکٹر محمد افضال بٹ،[1]

[1] صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:11-04-2024
Accepted:23-06-2024
Online:27-06-2024

Copyright: © 2023 by the authors. This is an access-open article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Premchand was a notable fiction writer of Urdu literature. He was comely said to be founder of Urdu short story. Realism is a remarkable feature of his literary work. Premchand enjoyed a multisided personality in creative work. He was also good translator. Shab-e-Taar is the translation of Maurice Maeterlinck's drama "Sightless". This drama was written in 1891and translated in English in 1911. Following article is about Premchand's translated drama "Shab-e-Taar". I shall try to describe the drama in the light of linguistics and literature. Although, Premchand had not only good command on short story and novel writing in Urdu and Hindi language but he also had command in English and whereabouts of Persian language. There are seven dramas in his credit, three of those written by the Premchand and four dramas are translated by him in Urdu as well as in English.

Keywords: Female education, Christian missions, sanctuary, healthcare, British India, Womenhood, Cult of domesticity

.

پریم چند کے افسانے اور ناول ہیت اور تکنیک کے اعتبار سے کسی صورت بھی دوسرے اردو ادیب کے ادبی کارناموں سے کم نہیں کہے جا سکتے۔ ان کے کردار ایسے جاندار ہوتے ہیں جو افسانے یا ناول کے پلاٹ کے عین مطابق مکالموں کی ادائی کے ساتھ امر ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پریم چند اردو افسانے کا ایک روشن ستارا تو تھے ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ ہی ان کے ناول بھی اردو کی ادبی دنیا میں روشنی کی کرن بھی تھے۔

"پریم چند نے اپنے افسانوں میں بہت سے کردار پیش کئے جو حقیقت سے بہت قریب نظر آتے ہیں۔ یہ کردار تخیل کی دنیا کے ہو کر بھی حقیقی زندگی کے جیتے جاگتے کردار یا تصویریں ہیں۔ یہ کردار مصنف کے ہاتھ کی کٹھ پتلی نہیں بلکہ کہانی میں پیش آنے والے واقعات کے مطابق ارتقا کے مراحل سے گزرتے ہیں۔"(1)

اس کے علاوہ ہم یہ کہنے میں بالکل عار محسوس نہیں کرتے کہ موجودہ دور میں پریم چند کی اعلیٰ ادبی خدمات کو زبانِ زدِ عام کرنے کے لیے سمپورن سنگھ گلزارؔ کا بھی بہت زیادہ ہاتھ ہے۔ گلزار نے ان کے افسانوں کو ٹیلی فلم کی صورت میں دوردرشن کی مدد سے عام لوگوں تک پریم چند کا پیغام انتہائی خوبصورتی سے پہنچایا۔ جب ہم افسانوں اور ناولوں کے علاوہ ڈرامے کے تناظر میں پریم چند کی ادبی خدمات کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے چار مختلف ڈراموں کے اردو ترجمے کے علاوہ تین ڈرامے خود بھی لکھے ہیں۔

پریم چند کے ترجمہ شدہ ڈراموں کے تناظر میں بات کرنے سے پہلے اگر ایک عام مترجم کے بارے میں بات کر لی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہو گا۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہیں کہ مترجم کے عمرانی، نفسیاتی اور ادبی خیالات مصنف سے مختلف ہو سکتے ہیں اور ترجمے میں کہیں نہ کہیں اس کے یہ خیالات واضح ہو سکتے ہیں۔ پروفیسر محمد حسن اس سلسلے میں کہتے ہیں:

"ضرورت اکثر برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دیتی ہے۔ ایسی ہی ایک برائی ترجمہ بھی ہے Translator کو Traitor اور مترجم کو گندم نما جو فروش کہا گیا ہے۔ ترجمہ اگر اصل کا کام دینے لگے تو ترجمہ کیوں کہلائے۔ لازمی طور پر یہ اصل سے کمتر ہو گا" (2)

مارٹر لنک کے فرانسیسی ڈرامے ("بلائنڈ"—Sightless) کا ترجمہ پریم چند نے "شبِ تار" کے عنوان سے کیا ہے۔ مترجم نے بھرپور کوشش کی ہے کہ وہ مصنف کے خیالات کو قاری تک پہنچانے کے لیے ویسے ہی الفاظ استعمال کرے جیسے الفاظ مصنف نے استعمال کئے تھے۔ مگر جب مترجم کو گندم نما جو فروش کہہ دیا گیا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ نتیجہ سو فیصد حاصل کیا جا سکے۔ ذیل میں پریم چند کے ترجمہ شدہ ڈرامے "شبِ تار" کا جائزہ لسانی و ادبی اعتبار سے لیا جا رہا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ کہ پریم چند کا ذاتی طرزِ تحریر اور اندازِ فکر اس ڈرامے کی اصل تحریر اور اندازِ فکر سے میل نہیں کھاتا۔ یہ ڈرامہ مکمل طور پر علامتی ہے اور اور کرداروں کے ناموں کی نسبت پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں اور چھٹواں اندھا کے نام سے مخاطب کیا

ہے جب کہ پریم چند کے ذاتی کرداروں سے ہی صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کس طرح کا کردار ہے۔ اگر کسی امیر اور بڑے آدمی کا کردار ہو گا تو وہ ٹھاکر وغیرہ سے لکھا جائے گا جب کہ عام کرداروں کے نام بھی ایسے ہوں گے جن سے ہتک ٹپکتی نظر آتی ہے۔ پریم چند کا لسانی انداز عام فہم اور معاشرتی ہے جب کہ اِس ترجمہ شدہ ڈرامے کے کردار عام طور پر فلسفیانہ گفتگو کرتے نظر آتے ہیں اور یہ گفتگو عام قاری کے سر سے گزر جاتی ہے۔

پریم چند نے ڈرامے کا ترجمہ اگرچہ مکمل سیاق و سباق اور متن کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا اور اصل مصنف کی بات کو قاری تک پہنچانے کی مکمل کوشش کی ہے مگر ہندوستان کی عوام شاید مغربی روحانیت کی قائل نہیں تھی اس لیے "شبِ تار" کو وہ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی جو اسے مغرب میں ملی۔ میری دانست میں ڈرامے شبِ تار میں روحانی مشاہدات اور تصوف کو دیکھ کر تو یوں لگتا ہے کہ شائد قاری یہ سمجھ رہے ہوں کہ پریم چند نے اس ڈرامے کا ترجمہ یا تو اپنی علمی صلاحیت کا پرچار کرنے کے لیے کیا ہو گا یا پھر کسی کے کہنے پر یہ کام سرانجام دیا ہو گا۔ شائد یہی وجہ ہے کہ اس ڈرامے کو عوامی پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ مختلف رسائل و جرائد کے ایڈیٹران نے جب اس ڈرامے کو شائع کرنے سے معذرت کر لی تو پریم چند نے خود بھی اس کا ذکر کیا۔

> ''صبح امید اور کہکشاں کے ایڈیٹران نے اُسے نامنظور کر دیا اور یہ زمانہ میں شائع ہوا۔ انھیں افسوس تھا کہ اردو داں اصحاب نے اس ڈرامہ کو محض سطحی نگاہ سے دیکھا۔ ایک نقاد نے کہا کہ صاحب موصوف عوام الناس سے عمیق نظر کی امید کیوں رکھتے ہیں۔'' (3)

اگر ہم ڈرامے کے نام پر ہی توجہ دیں تو معلوم ہو گا کہ انگریزی میں اس کا نام The Blind ہے مگر جو نام پریم چند نے ترجمے کے بعد اسے دیا ہے وہ بہت شاندار ہے۔ انگریزی نام سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ڈرامہ کسی اندھے کے گرد گھوم رہا ہو گا مگر ترجمہ شدہ نام "شبِ تار" بذات خود پریم چند کی لسانی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پریم چند نے لفظ 'تار' کا استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ تاریکی سے لیا گیا ہے۔ اردو ڈرامے کے نام کا مطلب "تاریک رات" کیا جا سکتا ہے۔ پریم چند یہ بتانا چاہتے ہوں گے کہ بصارت سے محرومی والے ہی اندھے نہیں ہوتے بلکہ یہ تو صرف ظاہری بصارت ہے۔ حقیقت میں ضمیر کی بصارت سے محرومی والے اصل اندھے ہوتے ہیں۔ جو لوگ ضمیر کی بصارت سے محروم ہیں ان کے لیے تاریکی ہی تاریکی ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ ظاہری بینائی سے محروم ہیں وہ اندھے نہیں کیوں کہ ان کی مدد کے لیے بے شمار لوگ ہوتے ہیں جو ایسے لوگوں کی آنکھ بن جاتے ہیں۔ زیرِ بحث ڈرامے میں میں بھی ایک سادھو اندھوں کے لیے آنکھ بنا ہوا ہے۔ میری دانست میں "شبِ تار" سے بہتر نام ہو ہی نہیں سکتا۔

چوں کہ پریم چند کا لسانی نظریہ دیوناگری رسم الخط کے حق میں تھا اس لیے وہ عام طور پر انگریزی حرف (R) کا ترجمہ کرتے وقت اس کے لیے (ر) اور (ڑ) کی بجائے (ڈ) استعمال کیا کرتے تھے اور اس کی ایک مثال زیرِ بحث ڈرامے میں بھی موجود ہے۔ پریم چند نے ڈرامے کے کردار ''بوڑھی نابینا عورت'' اور ''بوڑھے نابینا مرد'' کی جگہ ''بڈھی نابینا عورت'' اور ''بڈھا نابینا مرد'' جیسے الفاظ لکھے ہیں۔ اسی طرح جب سادھو اور مہاتما جیسے الفاظ استعمال ہوں تو اس سے مذہب صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہندو دھرم کے متعلق ہے مگر پریم چند نے

اپنے ترجمے میں ایسے لوگوں کے بارے میں ہی نماز(4) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ میری دانست میں نماز کی بجائے 'عبادت' کا لفظ استعمال کیا جانا چاہیے تھا۔ پریم چند جو ہندو مسلم عبادات سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے مگر ان سے یہ لفظ نماز نہ جانے کیسے استعمال ہو گیا تھا؟

پریم چند اردو اور ہندی کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کے بارے میں بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ ترجمے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ترجمہ شدہ فن پارا عام قاری تک آسان الفاظ میں پہنچے۔ پریم چند نے اپنی طبع زاد تحریروں میں انتہائی آسان اور معاشرتی زبان استعمال کی ہے مگر انہوں نے ڈرامے شبِ تار میں گاڑھی اردو زبان استعمال کی ہے۔ ڈرامے میں اس کی چند مثالیں اور مجوزہ آسان الفاظ درج ذیل ہیں:

ڈرامے میں موجود الفاظ	مجوزہ آسان الفاظ
چھٹواں	چھٹا
قدم	قدیم
دل گرفتہ اور علیل	پریشان اور بیمار
طولانی	طویل
متردد	فکر مند یا پریشان
منہدم	ٹوٹ پھوٹ یا برباد
طائران شب	رات کے پرندے
مہیب	خوف ناک

راقم کی دانست میں پریم چند کی اپنی ذاتی تحاریر میں تو آسان الفاظ استعمال کئے ہیں مگر انہوں نے اپنے ترجمہ شدہ ڈرامہ میں معلوم نہیں کیوں اتنے مشکل الفاظ استعمال کئے ہیں۔

جس دور میں پریم چند نے اس ڈرامے کا ترجمہ کیا تھا اس وقت اردو ادب میں مغرب سے ڈرامے کے تمام لوازمات ہم تک نہیں پہنچے تھے۔ اصطلاحات وغیرہ تو کافی عرصہ بعد کی بات ہے۔ تمام لوازمات اور اصطلاحات کے بغیر ڈرامے کا ترجمہ قدرے مشکل کام تھا مگر یوں لگتا ہے کہ پریم چند نے انگریزی زبان کے الفاظ کو اردو زبان میں عمدہ انداز میں ڈھالا ہے علاوہ اس کے چند ایک الفاظ تھوڑے مشکل ہیں۔ مارٹر لنک کا ڈرامہ چوں کہ مغربی تصوف کے بارے میں ہے لسانی اعتبار سے پریم چند نے اس بات کا حق ادا کر دیا ہے کہ وہ مصنف کا پیغام مکمل استعارات کے ساتھ ہم تک پہنچا دیا ہے۔ مارٹر لنک کا ڈرامہ زندگی کے متعلق Metaphors سے بھرا ہوا ہے تو پریم چند کا ترجمہ بھی بے شمار استعارات سے مزین ہے۔ استعارات کی چند مثالیں جو پریم چند استعمال کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

پہاڑ: انسان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے بلندی کا سفر کرنا ہی پڑتا ہے۔

وادیاں: ایسی مشکلات جو تنگ و تاریک اور پر پیچ راستوں والی وادیوں کی شکل میں منہ کھولے کھڑی ہوں۔

غار: ابدی زندگی کی جگہ یعنی قبر۔

آفتاب: راستہ دکھانے والا رہنما

دھوپ: امید

ساحل: منزل، حاصل

اسی طرح جب سادھو یہ کہہ کر گیا کہ اسے دور جانا ہے تو تمام اندھے اس کی بات بالکل نہ سمجھ سکے۔ اصل میں سادھو نے استعاراتی انداز میں دور جانے کو موت کہا تھا۔

پریم چند نے اس ڈرامے میں بلا ضرورت وضاحت کے لیے ترجمے کے دوران زیادہ الفاظ استعمال نہیں کئے۔ اصل متن میں جتنے الفاظ ایک جملے میں موجود ہیں تقریباً اتنے ہی الفاظ میں پریم چند نے ترجمہ کرتے ہوئے استعمال کئے ہیں۔ برِ صغیر میں رہنے کے باوجود پریم چند نے مغربی تصوف کو مشرقی اندازِ تصوف کے ساتھ گڈ مڈ نہیں کیا۔ مشرقی فکر تو یہ ہے کہ خانقاہوں میں اٹھنا بیٹھنا اور تعلیم حاصل کرنا۔ پریم چند نہ صرف مسلم طرز تعلیم سے واقفیت رکھتے تھے بلکہ وہ ہندوستان میں بسنے والے دیگر مذاہب کے بارے میں بھی کافی علم رکھتے تھے۔ وہ اقبال کی خانقاہی طرز تعلیم کے بارے میں کہی ہوئی اس بات کے بھی قائل تھے کہ:

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں کس طرح
کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

علاوہ ازیں پریم چند ہندو سماج کے بارے میں جانتے تھے کہ دھرم شالے کیسی تعلیم دے رہے ہیں۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ مقامی تصوفانہ انداز سے متاثر نہ ہوئے اور انہوں نے مغربیت کے خانقاہی نظام کو ہو بہو اسی طرح پیش کیا جیسا کہ مارٹر لنک پیش کرنا چاہتا تھا۔ بوڑھا سادھو اپنی پرواکئے بغیر تمام اندھوں کو خانقاہ سے باہر لے کر آتا ہے اور انہیں اپنے زور بازو پر زندگی گزارنے کا طریقہ سمجھانا چاہتا ہے۔ پریم چند اپنے اس مقصد کو سمجھانے میں بھی آسانی کے ساتھ کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے لفاظی سے کام لینے کی بجائے انتہائی سادہ الفاظ میں کتے کی آمد کی مدد سے آگے بڑھنے کا فلسفہ بتا دیا ہے۔ اگرچہ بوڑھا سادھو مر چکا ہوتا ہے اور اندھے اس کی موت سے واقف نہیں ہوتے مگر کتے کی آمد کی وجہ سے انہیں نہ صرف سادھو کی موت کا علم ہوتا ہے بلکہ انہیں سمجھانے کو کوشش کی گئی ہے کہ کسی کے مرنے سے دوسرے کی زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔

پہلا نابینا۔ کوئی چیز ہماری طرف آ رہی ہے!

دوسرا نابینا۔ سادھو جی ہیں! سادھو جی آ رہے ہیں! وہ واپس آ رہے ہیں!!

تیسرا نابینا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھ رہے ہیں بالکل ایک چھوٹے بچے کی طرح....

دوسرا نابینا۔ آج انھیں کچھ برا بھلا مت کہنا!

سب سے بڑھی اندھی عورت۔ میرے خیال میں یہ آدمی کے قدم نہیں ہیں!

(ایک کتا جنگل میں آتا ہے اور ان کے سامنے سے گزرتا ہے سناٹا ہے) [5]

پریم چند نے درج بالا ترجمہ میں انتہائی آسان زبان میں استعاراتی اشاروں سے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ سناٹے اور تنہائی (بے یار و مدد گار) کی حالت میں بھی میں غور کرنے سے زندگی کی علامات پائی جاسکتی ہیں۔ پریم چند نے اصل مصنف کا ماضی الضمیر اپنے چند الفاظ میں قاری تک پہچانے کی بہترین کوشش کی ہے۔

ڈرامہ نگار مارٹر لنک نے جب یہ ڈرامہ اسٹیج پر پیش کرنے کے لیے اپنے اداکاروں کی آنکھوں میں اس طرح لینز نما چیز لگوائی جس سے انہیں اندھوں کی طرح اداکاری کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی [6]۔ پریم چند نے الفاظ کی مدد سے ایسی منظر نگاری پیش کر دی ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ڈرامہ پڑھنے کی بجائے دیکھ رہے ہوں۔ جیسے (عورتیں گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہی)، (اُوف! تم لوگوں کے ہاتھ کتنے سرد ہیں)، اور (برف کے ٹکڑے گرنے لگتے ہیں) وغیرہ۔ ہندوستان میں یہ ڈرامہ نہ تو اسٹیج پر دکھایا گیا اور نہ ہی اسے ادبی پذیرائی ملی۔ میری دانست میں اس میں پریم چند کا قصور نہیں بلکہ لوگوں کو سمجھنے میں شائد غلطی ہوئی ہوگی کیوں کہ اس دور میں روحانی ڈرامہ ہندوستانی ادبی دنیا میں اپنا مقام نہیں بنا پایا تھا۔

ڈرامے میں عمومی طور پر منظر کرداروں کے تعارف کے بعد آتا ہے اور اس بحث بھی پہلے کی جاتی ہے مگر راقم کی نظر میں "شبِ تار" کا منظر اس کے پلاٹ، مکالمہ جات، کرداروں وغیرہ سے بہت شاندار ہے۔ شائد یہی وجہ ہے کہ راقم نے مجبوراً سب سے آخر میں" منظر "کو کولسانی بحث کے لیے چُنا ہے۔ پریم چند نے اس یک بابی ڈرامے کے منظر میں بڑی عمدگی سے سارے ڈرامے کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ مثلاً آسمان تاروں سے (رات کا منظر)، قدرے جھکا ہوا بڈھا (موت کی وادی میں پہنچ جانے والے بوڑھا سادھو)، بوڑھے سادھو کے لاغر اکڑے ہوئے ہاتھ (مرا ہوا سادھو)، چھ اندھے مرد اور چھ اندھی عورتیں (جیسے کسی کی میت پر آئے ہوں)، ایک ہی قسم کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے (خانقاہی لباس)، اشارے اور انداز کی عادت کا بھولنا (صاف ظاہر ہے اندھے اشاروں کی زبان نہیں جانتے)، زرد پھول (میت پر چڑھانے والے پھولوں کا رنگ) اور چاند کی کبھی کبھار نظر آنے والی کرنیں (امید کا استعارہ) [7]۔

امید کے دامن تھامے ہوئے ڈرامے شبِ تار کا اختتام پریم چند نے سادھو کے مرنے کے بعد زندگی سے بھرپور ایک نئی آواز سے کیا ہے۔ پریم چند نے آواگون کے نظریئے کو اپناتے ہوئے آخری جملے میں مارٹر لنک کے خیالات کی مکمل تائید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "سناٹا ہے، بچہ گلا پھاڑ پھاڑ کر رونے لگتا ہے" [8]۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر رونے کا استعمال کرتے ہوئے پریم چند نے ایک نئی زندگی کی آمد کی اطلاع دی ہے۔ حرفِ آخر یہ کہ پریم چند نے اس ڈرامے کے ترجمے میں تمام لسانی پہلوؤں کو مد نظر رکھا ہے۔ ہر ترجمے میں اغلاط کا امکان تو موجود ہوتا ہے مگر پریم چند کے ترجمہ شدہ ڈرامہ "شبِ تار" میں ظاہری طور پر اغلاط نہ ہونے کے برابر ہیں ماسوائے چند ایک مشکل الفاظ کا ستعمال کیا گیا ہے مگر وہ الفاظ بھی اردو زبان میں مستعمل ہیں اور ابھی تک متروک الفاظ کی فہرست میں شامل نہیں۔

حوالہ جات

1. سمیعہ بشیر، ریسرچ سکالر(پی ایچ۔ڈی) مولانا آزاد یونی ورسٹی حیدر آباد، مضمون:'پریم چند کے افسانوں میں حقیقت نگاری'، sirfurdu.com۔
2. پروفیسر محمد حسن، ترجمہ نوعیت اور مقصد، ترجمہ کا فن اور روایت، مشمولہ 'ترجمہ کا رفن اور روایت' مرتبہ پروفیسر قمر رئیس، ناشر تاج پبلشنگ ہاؤس، دہلی، اشاعت 1976 ص نمبر 69۔
3. ڈرامہ نگار پریم چند، مشمولہ کلیاتِ پریم چند، مرتبہ مدن گوپال، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ص v، سالِ اشاعت 2000۔
4. "شبِ تار"، مشمولہ کلیاتِ پریم چند، مرتبہ مدن گوپال، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ص 3، سالِ اشاعت 2000۔
5. ایضاً، ص 20۔
6. ڈیوڈ کورنبر (تبصرہ)، مشمولہ سہ ماہی مطالعہ معذوری، کولمبیا یونی ورسٹی، 2005 (بوساطت انٹرنیٹ)۔
7. "شبِ تار"، مشمولہ کلیاتِ پریم چند، مرتبہ مدن گوپال، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ص 2،1، سالِ اشاعت 2000۔
8. ایضاً، ص 28۔